© rasailojaraid.com

تدوینِ حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۸)

صحابیت کی قوت کا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق تھا کیا وہ کسی بحث و تحقیق کا محتاج تھا؟ جن لوگوں میں اس بدیہی حقیقت کے متعلق شک و اشتباہ وہ پیدا کرنا چاہتے تھے، گو خود صحابی نہ تھے لیکن ان کی بڑی تعداد صحابہ کی دیکھنے والی تھی یا کم از کم صحابہ کے دیکھنے والوں سے ان کے حالات تواتر کی شکل میں ہر ایک کے کانوں تک پہنچے ہوئے تھے ساری فضا اس وقت کی صحابیت کی اس قوت کی گونج سے معمور تھی، یقیناً جس نصب العین کو وہ لے کر اٹھے تھے، کامیاب ہو جانے کے بعد اسلام کی فاش شکست پر ان کی یہ کوشش منتج ہوتی خدانخواستہ اگر یہ ہو جاتا تو پہلی صدی ہجری میں جیسا کہ ان بد اندیشوں نے سوچا تھا اسلام کا سارا ایوان سر بسجود ہو کر رہ جاتا گویا شروع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی تاریخ ہمیشہ کے لئے اسی وقت ختم ہو جاتی، اس لئے اس کی تو داد دینی پڑتی ہے کہ تاکنے والوں نے ٹھیک اسی بنیادی اساس کو ضرب لگانے کے لئے تاکا تھا جس پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد وہ بازی جیت لیتے۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا دن کی کھلی روشنی میں خواہ دیکھنے والے جیسے کچھ بھی ہوں ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر یہ باور کرا دینا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے اور بجائے دن کے رات آگئی ہے کوئی آسان بات نہ تھی، آخر مغالطی مقدمات کی اثراندازی بھی ایک خاص حد تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدود ہوتی ہے آپ لاکھ نفسیاتی کرتبوں سے کام لیتے ہوئے چلے آتے، لیکن آنکھیں کھولے جو چمکتے ہوئے آفتاب کو دیکھ رہا ہے اس کو یہ باور کرانے میں کیا آپ کامیاب ہو سکتے ہیں آدمی بہر حال آدمی ہے چوپایہ اور جانور نہیں ہے خصوصاً شکار کھیلنے والے جن میں شکار کھیلنا چاہتے تھے مسلمان تھے اور غیر منافق مخلص مسلمان تھے۔

کوئی تدبیر اس کے سوا کارگر نہیں ہو سکتی تھی کہ جھوٹ کا دھواں اٹھایا جائے اور اسی سے ایسی تاریکی پھیلا دی جائے کہ بینائی رکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کو دن رات کی شکل میں نظر آنے لگے، یہی واحد تدبیر مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے باقی رہ گئی تھی جسے بالآخر اختیار کرنے والوں نے اختیار ہی کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کا انتساب قطع نظر اس کے کہ مآلاً وہ افتراء علی اللہ یعنی اللہ کی طرف جھوٹ باندھنے کے جرم کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور قرآن میں اس جرم کے مجرم کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی کرنے والوں کی صف میں سب سے بڑا ظالم اور مجرم بیسیوں جگہ قرار دیا گیا تھا اسی کے ساتھ جیسا کہ گزر چکا فلیتبوء مقعدہٗ من النار والی روایت کا صحابہ کرام نے اتنا چرچا کیا تھا اور اس کو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اتنی کثرت سے ہر مجلس و محفل میں وہ دہراتے رہتے تھے کہ روایت میں قریب قریب تواتر کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی اس ذریعہ سے قلوب میں اس جرم کی اہمیت کو دل نشین کرنے میں وہ اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ شاید قتل و زنا و سرقہ وغیرہ جرائم کی بھی اس جرم کے مقابلہ میں اہمیت باقی نہیں رہی تھی اس عہد کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس جرم کی اہمیت سے اتنے زیادہ متاثر تھے کہ دعوی کرنے والا اگر یہ دعوی کر بیٹھے کہ گویا ان میں اس جرم کے ارتکاب کی صلاحیت ہی جاتی رہی تھی تو شاید واقعات کی روشنی میں اس دعوی کا مسترد کرنا آسان نہ ہوگا

آخر اس کے بھی کوئی معنی ہیں کہ "صحابہ کرامؓ" کی یہی جماعت جس میں ہر قسم کے لوگ تھے، یعنی اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ مدارج میں ان کو بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے، جیسے ہر جماعت کے افراد میں یہ تقسیم جاری ہوتی ہے تاہم یہ مسلم تھا کہ پیغمبر کے سوا کوئی بشر جو ہیں کہ معصوم پیدا نہیں کیا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے نہ اس زمانے میں اور نہ اس کے بعد اس وقت تک کسی طبقہ کے صحابیوں کو معصوم قرار دینے کا عقیدہ مسلمانوں میں کبھی پیدا ہوا۔ اور غیر معصوم ہونے کی وجہ سے جس قسم کی بھی کمزوریاں اس جماعت کے بعض افراد سے سرزد ہوئی ہیں بغیر کسی جھجک کے مسلمان ہمیشہ ان کا تذکرہ زبانی بھی اور کتابوں میں بھی کرتے چلے آ رہے ہیں آخر خود سوچئے حضرت ماعز اسلمی، یا نعمان بن عمرو الانصاری یا مغیرہ بن شعبہ یا وحشی یا عمرو بن عاص یا خود امیر معاویہ وغیرہم حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی طرف حدیث و سیر و تاریخ وغیرہ کتابوں میں کون کون سی باتیں نہیں منسوب کی گئی ہیں اور یہ تسلیم کرکے منسوب کی گئی ہیں کہ واقعی ان لغزشوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے جرائم جنہیں ہم کبائر کہہ سکتے ہیں "واقعہ ہے ان کی شاید ہی کوئی قسم

لہ سیر صحابہ و تاریخ کی کتابوں میں ان صحابیوں کے حالات آپ کو ملیں گے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ماعز کی طرف زنا کا جرم منسوب کیا گیا ہے اسی طرح مغیرہ بن شعبہ کی طرف بھی بعضوں نے اس جرم کو منسوب کیا ہے نعمان بن عمرو انصاری تو وہی مشہور شگفتہ مزاج صحابی ہیں جن کی بعض ادائیں عجیب بعض لکھا ہے کہ مدینہ میں موسمی پھل وغیرہ جیسی چیزیں بیچنے کے لئے کوئی آتا تو ادھار اس سے خرید لیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیہ پیش کر دیتے یہ خیال کرکے کہ نعمان کی طرف سے یہ ہدیہ ہے رسول اللہ خود بھی نوش جان فرماتے اور دوسروں میں تقسیم کر دیتے جب قیمت مانگنے والا نعمان کے پاس آتا تو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ رسول اللہ کے سامنے لاکر اس سے کہتے کہ قیمت آپ سے مانگ لو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم نے تو ہدیۃً پیش کیا تھا، کہتے کہ ہاں پیش تو ہدیۃً ہی کیا تھا لیکن میرے پاس دام کہاں ہیں جو ادا کروں؟ ایک دفعہ ایک غریب بدو کے اونٹ کو جب وہ رسول اللہ کے پاس بیٹھا تھا انھوں نے بعضوں کے اشارے سے ذبح کر دیا۔ بدو نے باہر نکل کر یہ تماشا جو دیکھا چیخنے لگا رسول اللہ سے فریاد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی حرکت ہے، نعمان کا نام لیا گیا۔ وہ بھاگ کر ایک شخص کے گھر میں چھپے ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے پوچھتے ہوئے اس گھر میں گھس کر نعمان کو گرفتار کیا، دریافت کیا کہ یہ کیا حرکت تھی کہنے لگے کہ جن لوگوں نے میرا پتہ آپ کو بتایا ہے ان ہی کے اشارے سے میں نے کیا تھا آخر رسول اللہ نے اپنی طرف سے اونٹ کی قیمت بدو کو ادا کی اور کباب بنا کر اونٹ کو لوگ کھا گئے ان ہی نعمان پر متعدد دفعہ شراب خواری کا الزام لگا، ثابت ہوا، حد لگی وحشی بھی صحابیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں، حمص میں رہتے تھے شراب خواری کے الزام میں ان پر بھی حد لگی رہے عمرو بن عاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سو ان کے متعلق مجھے کہنے کی بھی ضرورت نہیں، جن ناکردنیوں کو تاریخ میں ان کی طرف منسوب کیا ہے ان سے کون ناواقف ہے اور قصہ ان ہی لوگوں کی حد تک محدود نہیں ہے چاہا جائے تو اچھی خاصی فہرست ان اسماء کی مرتب ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گی جو اس فہرست میں نظر نہ آتی ہو، مگر حیرت ہوتی ہے کہ ان ہی صحابیوں کی طرف جہاں تک میرے معلومات ہیں اس جرم کے انتساب کی جرأت کسی زمانہ میں نہیں کی گئی ہے کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس سے جو فعل بھی سرزد ہو جاتا تھا محض صحابی ہونے کی وجہ سے لوگ اس فعل کے انتساب سے نہیں جھجکتے تھے تو خدانخواستہ کذب علی النبیؐ کے جرم کا تجربہ ان ہی صحابیوں میں سے کسی صحابی سے اگر ہوتا، تو اس کے ذکر سے لوگوں کو کون سی چیز مانع آسکتی تھی اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان کہ

کنا لا نتھم بعضنا بعضا طبقات ابن سعد ج ۷ صـ۱۳ قسم دوم	ہم لوگ (یعنی صحابہ) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے (یعنی قصداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کر رہا ہے)۔	

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ماننے پر آپس کے باہمی تجربات نے ان کو قطعی طور پر مجبور کر دیا تھا، اور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی حدیثوں کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس اعتراض کے سوا عموماً دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان ہی صحابیوں میں عام رواج تھا[1] لیکن احادیث و آثار کے اس عظیم ذخیرے کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی

---

[1] حدیث کے معمولی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صحابیوں کی بیان کی ہوئی کتنی حدیثوں پر تنقید فرمائی ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ (مردے پر رونے والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے) یہ حدیث ہو یا سماع موتی والی روایت ہو یا قطع صلوٰۃ کے سلسلہ میں یہ روایت کہ عورت کے سامنے آجانے سے بھی نماز منقطع ہو جاتی ہے یا نحوست نہیں ہے لیکن مکان گھوڑے عورت میں وغیرہا۔ روایتوں پر حدیث کی کتابوں میں صدیقہ عائشہ کی تنقیدیں اس وقت نقل کی جاتی ہیں، الوضوء مما مست النار (یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضوء کرنا چاہئے) ابوہریرہ کی اس حدیث پر ابن عباس ان کے شاگرد کی تنقید کہ کیا گرم پانی سے قبل بھی وضوء کر دوں اور تو یہ چند سرسری مثالیں ہیں، چاہا جائے تو صحابہ کرام کی تنقیدوں کا ایک کافی ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے جو دوسرے صحابیوں کی روایتوں پر ان کی طرف سے کی گئی ہیں ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی بنیاد پر یہ سمجھا جائے کہ صحابی نے دوسرے صحابی پر کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام کبھی لگایا تھا؟ وہی حدیث یعنی گھر والوں کے رونے کی وجہ سے موتیٰ پر عذاب ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حضرت عمرؓ اور حضرت کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس روایت کو بیان کیا کرتے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب سنا تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، لیکن کن الفاظ میں، مسند احمد میں ہے صدیقہ نے فرمایا

رحم اللہ عمر و ابن عمر فواللہ ما هما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزیدین	رحم کرے اللہ عمر اور ابن عمر پر بس قسم ہے خدا کی نہ تو یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں۔
مسند احمد ص ۲۸۱ ج ۶	

اور عمر و ابن عمر تو خیر بڑے لوگ ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بیچاری فاطمہ بنت قیس جن کی طلاق والی روایت کا شاید کہیں پہلے بھی ذکر آیا ہے، مسلمانوں کا خلیفہ اور وہ بھی کون خلیفہ؟ عمر فاروق! فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو سمجھتے ہیں کہ قرآن کے بھی خلاف ہے اور سنت سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے، لیکن بایں ہمہ زیادہ سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہ اور ان کی اس روایت کے متعلق کچھ کہہ سکے تو یہی کہہ سکے کہ

لا نترک کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم لقول امرأۃ لا ندری احفظت او نسیت (صحاح)	اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کی سنت کو کسی ایسی عورت کے بیان سے ہم نہیں چھوڑیں گے جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ اسے یاد رہا یا بھول گئی

جس کا حاصل یہی ہوا کہ بھول چوک، اور نسیان سے زیادہ اور کسی چیز کے انتساب کی یعنی عمداً غلط بیانی کے انتساب کی ہمت حضرت عمرؓ میں بھی فاطمہ جیسی عورت کے متعلق پیدا نہ ہو سکی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بحث و تنقید کی آزادی کا حال تو یہ تھا کہ صحابہ صحابہ ہی پر نہیں یا ان کے چھوٹے بڑوں ہی پر نہیں بے جھجک جہاں موقع ہوتا، اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے تھے، بلکہ صحابیت کے شرف سے جو محروم تھے، دیکھا جا رہا تھا کہ بے محابا وہ بھی صحابہ کو ٹوک رہے ہیں، جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہوتی ہے روک رہے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی کو اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ العیاذ باللہ پیغمبر کو خدا کا سچا پیغمبر مانتے ہوئے ان کی طرف کسی غلط بات کے منسوب کرنے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے، یہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اپنے ایک پرانے قدیم شاگرد ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف جو صحابی نہ تھے ان کے سامنے وہ حدیث آپ نے روایت کی کہ جذام کا مرض جسے ہو گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس سے اس طرح بھاگنا چاہئے جیسے آدمی شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے ابوسلمہ کہتے ہیں کہ سننے کے ساتھ میں نے ابوہریرہ سے کہا کہ آپ ہی نے تو یہ روایت بیان کی تھی کہ "عدویٰ" کوئی چیز نہیں ہے یعنی بیماریوں کے متعلق چھوت اور تعدی کا خیال صحیح نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ اس کے خلاف ایسی روایت بیان کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریوں میں تعدی اور چھوت کے قانون کو دخل ہے اعتراض سخت تھا دونوں روایتوں میں کھلا ہوا تضاد محسوس ہو رہا تھا، اس تضاد کو ابوسلمہ ظاہر بھی کرتے ہیں ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں حضرت ابوہریرہ نے جو کچھ کہا وہ بھی ان کی سمجھ میں نہ آیا[1] لیکن باوجود ان تمام باتوں

---

[1] ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میرے اعتراض کے جواب میں فرطن بالحبشیۃ (یعنی ابوہریرہ حبشی زبان میں کچھ بولنے لگے) یہی وجہ ہوئی جو ان کی سمجھ میں حضرت ابوہریرہ کا جواب نہ آیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عدویٰ جس کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد تعدی یا چھوت کا طبی قانون نہیں ہے جو تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہے بلکہ وحشی اقوام جیسے ہندوستان وغیرہ میں بعض امراض کو خبیث روحوں کی طرف منسوب کرنے کا وہم پایا جاتا ہے مثلاً سیتلا دیوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ جب کسی سے خفا ہوتی ہے تو اسے چیچک میں مبتلا کر دیتی ہے، ہندوستان کے مختلف مقامات میں سیتلا دیوی کے مندر پائے جاتے ہیں کچھ اسی قسم کا خیال ایام جاہلیت میں عربوں کا بعض امراض کے متعلق تھا عدویٰ سے ان ہی بعض امراض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو عدویٰ کو بھی اسی ذیل کی چیز خیال کرنا مستبعد نہیں ہے۔ بعض جدید کتابوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جذام کے جراثیم کی شکل بالکل شیر جیسی ہوتی ہے سنا ہے کہ کسی ڈاکٹر نے پیغمبر کی اس حدیث کو سن کر تعجب کیا گویا حدیث میں ﷺ محسوس ہوا کہ جذامی جراثیم کی اس شکل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے باقی ابوہریرہ نے جواب میں حبشی زبان کیوں استعمال کی بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے مزاج میں کچھ ظرافت تھی اسی موقع پر نہیں بلکہ دوسرے مواقع پر بھی ابوہریرہ کو ہم پاتے ہیں کہ فارسی میں جواب دے رہے ہیں فارسی اور حبشی زبانیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے تھے جب جی چاہتا استعمال فرماتے انشاء اللہ ان کی سوانح عمری میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی ان سیرہ اللہ لی ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حضرت ابو ہریرہ کے متعلق ابو سلمہ اپنے اندر جس تجرباتی تاثر کو پاتے تھے" اس کا اظہار ان الفاظ میں انھوں نے کیا تھا آج بھی حدیث کی عام کتابوں میں ان کا یہ فقرہ موجود ہے، یعنی ابو سلمہ کہتے تھے کہ

فما رأیتہ نسی حدیثاً غیرہ	پس میں نے نہیں پایا کہ اس حدیث کے سوا کسی اور
(جمع الفوائد بحوالہ ابو داؤد وغیرہ)	حدیث کو وہ بھولے ہوں۔

ابو سلمہ جو حضرت ابو ہریرہ کے حلقہ کے پرانے شاگرد ہیں ہزار ہا حدیثیں ان سے ابو سلمہ نے اس عرصہ میں سنی ہوں گی لیکن اس طویل صحبت اور تجربہ کے بعد یہ کہنا کہ بجز اس روایت کے ان کو میں نے بھولتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، حضرت ابو ہریرہ کے متعلق ایک وزنی شہادت ہے" بہر حال اس ایک موقعہ پر بھی خیال ابو سلمہ میں کسی چیز کا اگر پیدا ہوا تھی تو وہ صرف نسیان کا تھا حالات ہی ایسے تھے کہ اس کے سوا کسی دوسرے خیال کے پیدا ہونے کا امکان ہی کیا تھا الخطیب نے یہ لکھنے کے بعد یعنی

علی انہ لو لم یرد من اللہ عز وجل ورسولہ فیھم شیئ مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیھا من الھجرۃ والجھاد والنصرۃ وبذال المھج والاموال وقتل الآباء والاولاد والمناصحۃ فی الدین وقوۃ الایمان والیقین	صحابہ کے متعلق اللہ (قرآن) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں وہ تعریفی الفاظ اگر نہ بھی پائے جاتے جن کا میں نے ذکر کیا جب بھی جو حال تھا اس کا بھی یہی اقتضا ہے کہ رسول اللہ کی طرف غلط بات نہیں منسوب کر سکتے تھے، یعنی ہجرت، جہاد اور پیغمبر کی نصرت، اپنی جانوں کی اور مالوں کی قربانی اپنے ماں باپ بچے اولاد کو اس راہ میں نثار کرنا اور دین کی بہی خواہیاں، ان کا ایمان ان کا یقین ان ساری باتوں کو سوچ کر یہی کہا جا سکتا ہے۔
صفحہ ۴۹	

اس نتیجہ پر جو پہنچے ہیں کہ دین کے، ان ہی سرباز وں اور جاں فروش معماروں کے متعلق یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ جو باتیں دین نہ تھیں یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمائی ہوئی نہ تھیں، قصداً و ارادۃً ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کر کے اس دین کو خود اپنے ہاتھوں انھوں نے ملیامیٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے رکھ دیا، جس کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا اپنے اور اپنے بال بچوں کے خون سے جس دیوار کی انھوں نے تعمیر کی تھی سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ خواہ مخواہ بلا وجہ اسی دیوار کو منہدم کر کے رکھ دینے کی آخر وجہ ہی کیا ہو سکتی تھی لیکن جب صحابیت ہی کی قوت کو چاہا گیا کہ اسلامی تاریخ میں اس کے وجود کو صفر کر دیا جائے۔ صفر ہی نہیں بلکہ برباد کرنے کی کوشش ہونے لگی کہ اسلام کی صف میں اول سے آخر تک یہی قوت مسلسل کام کرتی رہی یہ دعویٰ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا اتنا غیر معقول اور عجیب و غریب ہے کہ دلوں میں اس کا عام حالات میں اتارنا آسان نہ تھا آخر فوجی نو آبادیوں کے وہ عرب سپاہی جن میں کام کرنے والے کام کر رہے تھے، جیسے کچھ بھی تھے اور جو کچھ بھی تھے لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے وہ مسلمان تھے، عام انسانی احساسات اور حق و باطل کی تمیز کی عام فطری قوت سے وہ محروم نہ تھے۔ چارۂ کار اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ راہ کی ہر وہ منزل جس میں دسیسہ کاریوں کی ہر دوسری تدبیر بے اثر ہو کر رہ جاتی تھی اسی منزل کو ان جھوٹی حدیثوں سے وہ بھر دیتے تھے جنھیں عین وقت پر گھڑ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگوں کی طرف وہ منسوب کر دیا کرتے تھے جن کو صحابہ کی عام جماعت سے مستثنیٰ کر کے کہتے تھے کہ ان ہی گنے چنے چند صحابیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلصانہ تعلق تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے یہ دونوں انقلابی حوادث یعنی صحابیت کے خلاف جو طوفان اٹھایا گیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کر کے جھوٹی حدیثوں کا جو دھواں اسلامی فضا میں پھیلایا گیا، اگرچہ بظاہر دیکھنے میں یہ دونوں حادثے الگ الگ حادثے نظر آتے ہیں، مطالعہ کرنے والے بھی ان دونوں حوادث کا مطالعہ اس طریقے سے کرتے چلے آئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے گویا کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اور کچھ نہیں صرف یہی بات کہ ان دونوں انقلابی حوادث کی ابتداء کی تاریخ درج کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا تھا کہ دونوں کی ابتداء ایک ہی سرچشمہ سے ہوئی تھی میرے نزدیک دونوں حوادث کے باہمی تعلق کے سمجھنے کے لئے یہی واقعہ کافی تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسان المیزان اٹھا کر دیکھئے، عبداللہ بن سبا کا ذکر کرتے ہوئے حافظ نے جہاں یہ لکھا ہے کہ صحابیت کے خلاف وہ طوفانِ عام جس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو شریک کر لیا گیا تھا بلکہ بنیاد ہی اس پر رکھی گئی تھی کہ ان ہی دونوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے منشار کے خلاف کاروبار شروع کیا اور صحابہ کی عمومیت نے ان کا ساتھ دیا گویا بنیادی الزام ان ہی دونوں پر لگایا گیا تھا اس واقعہ کے ذکر کے بعد تصریح کی ہے کہ

کان عبد اللّٰہ بن سبا اول من اظہر ذلک ج ۳ ص ۲۹ — عبداللہ بن سبا ہی پہلا آدمی ہے جس نے اس خیال کو ظاہر کیا۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ صحابیت کے خلاف جس نے سب سے پہلے مخالفانہ باتیں شروع کیں وہ بھی یہی عبداللہ بن سبا تھا اور اسی کے ساتھ حافظ ہی نے عامر شعبی کے حوالہ سے ان کا دعویٰ نقل کیا ہے کہ

اول من کذب عبد اللّٰہ بن سبا ج ۳ ص ۲۸۹ — اور سب سے پہلے جو جھوٹ بولا (یعنی جھوٹی حدیث بنائی) وہ عبداللہ بن سبا ہی تھا۔

دونوں انقلابی حادثوں کی اولیت کا اسی ایک شخص میں جمع ہونا یقیناً کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ ایک کی تکمیل کے لئے دوسرے کا وجود ناگزیر تھا۔

اس میں شک نہیں کہ خلافتِ عثمانی سے پہلے بھی مخالفانہ قوتیں جو عرب کے مختلف گوشوں میں پوشیدہ تھیں موقع پا کر سر نکالتی رہتی تھیں عہدِ صدیقی کا واقعہ ردہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان مخالفانہ مخفی قوتوں سے بے تعلق تھا اور گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی وسعت کی وجہ سے بادیۂ عرب کے ان سپاہیوں کو کسی ایک جگہ سمٹ کر بیٹھنے کا موقعہ نہ ملتا تھا ان کو دنیا کے اس طول و عرض میں پھیلا دیا گیا جس کا دامن ایک طرف مغربی افریقہ کے حدود سے اور دوسری طرف مشرق میں چینی ترکستان سے ملا ہوا تھا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ کسی دوسرے مسئلہ کی طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی کب پیدا ہوتی تھی ان کی حالت جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے یہ تھی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایکون ھم احد ھم الا نفسہ ما	ان کے سامنے اپنی جان اور جس جانور پر سوار ہوتے
ھو فیہ من دبرۃ دابتہ او قمل	تھے اس کے کپڑے اور اپنے پوستین کے جوں کے سوا اور
فرد ہ صفحہ ۲۴۹/ ج ۵ طبری	کسی طرف توجہ کرنے کا موقعہ ہی نہ تھا۔

لیکن باایں ہمہ صبیغ ہی کے جس واقعہ کا آپ ذکر سن چکے ہیں جو اجناد المسلمین (مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں) میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات قرآنی آیتوں کے متعلق پھیلاتا پھرتا تھا اور بظاہر اس کی تحریک گرچہ بالکلیہ ایک ذہنی اور فکری تحریک معلوم ہوتی تھی لیکن العسکری کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ

اتھمہ عمر برای الخوارج ا	حضرت عمر کا خیال تھا کہ وہ یعنی صبیغ خوارج کی جماعت
اصابہ صفحہ ۲۵۹/ ج ۳	سے تعلق رکھتا ہے۔

"الخوارج" کے لفظ سے یہاں مراد یقیناً اس کے وہ اصطلاحی معنی نہیں ہیں جو خاص قسم کے عقاید و اعمال رکھنے والے ایک مستقل اسلامی فرقہ کی تعبیر ہے کیونکہ خارجیوں کا یہ فرقہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوا، بلکہ "الخوارج" سے مقصود اس کے عام معنی ہیں، یعنی حکومت قائمہ کے خلاف باغیانہ خیال و عمل رکھنے والے لوگ، جس کا مطلب یہی ہوا کہ صبیغ کی تحریک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کی کوششوں کی جھلک نظر آتی تھی جو اسلام اور دولتِ اسلامی کے خلاف اٹھانا چاہتے تھے، مگر جیسا کہ آپ نے دیکھا عہدِ فاروقی کے حکام اتنے بیدار تھے کہ صبیغ کو فوراً پایۂ تخت خلافت روانہ کر دیا گیا، حالات کا اندازہ کرکے جس حد تک خود حضرت عمر اس کی اصلاح کر سکتے تھے حالاں کہ کر چکے تھے، وہ تائب بھی ہو چکا تھا، لیکن باوجود اس کے زمانہ تک بصرہ جہاں صبیغ نے قیام اختیار کیا تھا وہاں کے والی اور حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعری پر شدید تاکید حضرت عمر کی طرف سے تھی کہ صبیغ پر کڑی نگرانی رکھی جائے، حکم تھا کہ اس کے اردگرد لوگ جمع ہونے نہ پائیں حکم کی تعمیل جس طریقے سے اس زمانے میں کی جاتی تھی، اس کا اندازہ ابو عثمان النہدی کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اسی صبیغ کے متعلق ان کی طرف منسوب ہے، یعنی کہتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كتب الينا عمر ان لا تجالسوه قال فلوجاء ونحن مأئة لتفرقنا ص۲۵ ج۳	عمر نے لکھ بھیجا تھا کہ صبیغ کے ساتھ کوئی نشست برخاست نہ کرے (اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا) کہ جب صبیغ ہم لوگوں کی طرف آتا اور سو آدمیوں کی ٹولی بھی بیٹھی ہوتی تو ہم بکھر جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان معاملات میں کتنے محتاط بیدار اور چوکنے رہتے تھے، ذرا ان کے اس طرزِ عمل کو ملاحظہ کیجئے جس کا ذکر ابن سعد نے احنف بن قیس کے تذکرہ میں کیا ہے یعنی مسلمان ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس جب احنف آئے تو ان کی تقریری اور ذکری صلاحیتوں کو دیکھ کر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو کامل ایک سال تک اپنے پاس روک کے رکھا، جب سال پورا ہو گیا، تب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بصرہ اس فرمان کے ساتھ روانہ کر دیا کہ "اس شخص کو اپنے پاس رکھنا اور مہمات میں اس سے مشورہ لیتے رہنا جو مشورہ دے اس پر عمل کرنا" کہنے کی بات یہ ہے کہ جب احنف روانہ ہونے لگے تب حضرت عمرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا

"تم جانتے ہو، کامل سال بھر تک اپنے پاس تم کو میں نے کیوں روک رکھا تھا، میں تم کو جانچنا چاہتا تھا، اور خوب جانچا۔ پرکھا اب میں اپنے اس احساس کا اعلان کرتا ہوں کہ بجز بھلائی کے تم میں اور کوئی پہلو مجھے نظر نہ آیا ظاہر تمہارا جہاں تک تجربہ ہوا مجھے بہت اچھا معلوم ہوا، اور میں امید کرتا ہوں کہ تمہارا باطن بھی ظاہر ہی کی طرح بہتر ہوگا۔[1] ابن سعد ص۶۶ ج۷ قسم دوم

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخر زمانہ میں پہلی بات تو یہی نظر آتی ہے کہ

---

[1] حضرت عمرؓ نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک روایت بھی بیان کی کہ آپ ان لوگوں سے ڈرایا کرتے تھے جو صاحبِ علم و فکر ہوں لیکن دین سے ان کا قلب بے تعلق ہو یہ بھی کہا تھا کہ ہم لوگ آپس میں یہ گفتگو کیا کرتے تھے کہ اس امت کی ہلاکت اسی قسم کے لوگوں سے ہوگی جو علیم و منافق ہوں گے یعنی تعلیم یافتہ بے دینوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کی بربادی مقدر ہے اصلی الفاظ حضرت عمرؓ کے یہ ہیں کہ کنا نتحدث انما يهلك هذه الامة كل منافق عليم ص۶۶ ج۷ قسم (۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچانک جہادی مہموں کی سرگرمیوں پر ایک قسم کا جمود طاری ہوگیا ۳۳ھ سے ۳۵ھ تک یعنی جس سال حضرت والا کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس سے دو سال پہلے کی روداد پڑھیئے ان میں آپ کو کسی بھی مہم یا دشمنوں سے مسلمانوں کی آویزش کا کوئی تذکرہ نہ ملے گا خود اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے علاوہ اس کے جب ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے فتنوں کی خبریں آنے لگیں اور حضرت عثمانؓ نے مختلف صوبوں کے والیوں کو جمع کرکے مشورہ فرمایا تو مشورہ دینے والوں سے بعضوں نے مرض کی تشخیص کرتے ہوئے اپنی طرف سے علاج کی تدبیر یہی پیش کی تھی۔

ارى لك يا امير المؤمنين ان تشغلهم بالجهاد عنك (کامل ج ۳)

امیر المومنین میرا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کو جہاد میں مشغول کرکے اپنی طرف سے ہٹا دیجئے،

اور حضرت عثمانؓ نے ان کی اس تجویز کے مطابق حکم بھی دیا جیسا کہ لکھا ہے کہ

امرهم بتجهيز الناس في البعوث (”)

حکم دیا کہ لوگ فوجی مہموں میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

لیکن ثابت ہوا کہ یہ علاج بعد از وقت ہے بنانے والے نوجیوں کے بیکار اور خالی دماغوں میں فتنوں کے جن گھونسلوں کو بنانا چاہتے تھے بنا چکے تھے اس پر بھی جس قسم کی کامیابی ان کو ہوئی شاید نہ ہوتی اگر عہدِ فاروقی کے بیدار مغز حکام کی جگہ اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ نہ چلی جاتی جس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہوتا ہے کہ یہی عبداللہ بن سبا جب شروع شروع اسلامی چھاونیوں میں داخل ہوا، اور بصرہ میں پہلی دفعہ اس نے سر نکالا، حالاں کہ جس قسم کے لوگوں میں وہ ٹھیرا تھا حکومت کی نگاہوں میں وہ خود مشتبہ تھے اس وقت بصرہ کے حاکم ایک قریشی نوجوان عبداللہ بن عامر تھے۔ لوگوں نے ابن سبا کے مشکوک طرز عمل کی خبریں ان تک پہنچائیں بھی لیکن انھوں نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اس کو بلوایا پوچھا کہ بھائی تم کہاں سے آئے ہو کون ہو جواب میں ابن سبا نے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں پہلے یہودی تھا اور اب مذہب اسلام کو میں نے قبول کر لیا ہے اور آپ کی پناہ میں یہاں آیا ہوں،

ابن عامر نے یہ سن کر کہا کہ

”جس قسم کی خبریں تمہارے متعلق مجھے مل رہی ہیں ان کا اقتضا ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ“ طبری ج ۵ (باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com